بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ایم کیو ایم: سیاسی و معاشی دہشت گردی اور بھارتی کردار

پروفیسر خورشید احمد

کراچی محض ایک شہر نہیں بلکہ پاکستان کے فکری، سیاسی اور معاشی قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال نے جو بات پورے ایشیا کے تناظر میں ملت افغان کے بارے کہی تھی، وہی بات کراچی پر بھی بدرجۂ اولیٰ صادق آتی ہے، یعنی اس کے فساد سے پورا پاکستان فساد اور ابتلا میں مبتلا ہوگا، اور اس کی کشادگی اور سکون پورے پاکستان کی کشادگی اور سکون پر منتج ہوگی۔[۱]

قیامِ پاکستان کے وقت کراچی اپنے سارے شہری جمال، معاشی مرکزیت اور جغرافیائی اہمیّت کے باوصف چار ساڑھے چار لاکھ افراد کا شہر تھا، لیکن اس شہر قائد نے برعظیم پاک و ہند سے نقل آبادی اور مملکتِ خداداد کے دارالحکومت اور تصورِ پاکستان کی علامت اور مرکزِ ثقل ہونے کے ناتے دن دونی رات چوگنی ترقی کی۔ پہلے پانچ سال میں آبادی میں ۱۰ گنا اضافہ ہوا اور آج یہ شہر تقریباً اڑھائی کروڑ انسانوں کا مسکن ہے۔ قومی آمدنی میں تقریباً ایک چوتھائی اور قومی محصولات میں تقریباً نصف اسی شہر سے حاصل ہوتا ہے۔

پاکستان کے تمام علاقوں اور پاکستان میں تمام زبانیں بولنے والے اس شہر کے باسی ہیں۔ اس کے بازو ہر علاقے کے لوگوں کے لیے کھلے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسے آئینۂ پاکستان اور 'منی پاکستان' کہا جاتا ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آبادی کے اس محیرالعقول اضافے اور

۱- آسیا یک پیکرِ آب و گل است ملّتِ افغاں درآں پیکر دل است
از فسادِ او فسادِ آسیا در کشادِ او کشادِ آسیا

اس کی شہری زندگی کی ساخت اور ترکیب میں تبدیلی، نیز اس کے جغرافیائی پھیلاؤ اور متنوع معاشی سرگرمیوں سے وابستگی اور مختلف حکومتوں کے متضاد اور امتیازی رویوں ہی نے اُن ہمالیائی مسائل کو جنم دیا ہے، جن کی وجہ سے یہ ایک دہکتے الاؤ کا منظر پیش کر رہا ہے۔

لسانی فسادات کا پس منظر

قیامِ پاکستان کے اوّلیں ۱۰، ۱۵ برس تو نسبتاً پُرسکون تھے، لیکن ۱۹۷۰ء کے عشرے سے آج تک یہ شہر اگر ایک طرف خودکار اور مستقبل بین منصوبہ بندی سے محروم، غیر متوازن بڑھوتری یا ترقی کا شاہکار رہا ہے، تو دوسری طرف گوناگوں تضادات کا مجموعہ، متصادم قوتوں کا گہوارہ اور شہر کے مختلف علاقوں، آبادیوں، طبقات اور لسانی اور معاشی گروہوں کے درمیان کش مکش کا میدان بن گیا ہے۔

نام نہاد جمہوری اَدوار ہوں یا فوجی مہم جُو عناصر کی حکمرانی کے زمانے، بحیثیت مجموعی یہ شہر مشکلات، مسائل اور شکایات ہی کی آماج گاہ بنا رہا ہے۔ بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ ریاست کے تمام ہی ادارے اپنی اصل بنیاد پر کام کرنے کے لائق نہ رہے۔ کرپشن، بدانتظامی، مفاد پرستی، سیاسی جانب داری، لاقانونیت، بھتّا خوری، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوئے اڑھائی تین عشرے ہو رہے ہیں۔ ریاست غیر مؤثر اور غیر ریاستی ادارے اور گروہ اپنے اپنے مفادات کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔

یہ سلسلہ جولائی ۱۹۷۲ء میں کراچی میں اُردو سندھی لسانی فسادات سے شروع ہوا، اور گذشتہ ۱۸ برس (۱۰ برس جنرل مشرف + ایم کیو ایم اور آٹھ برس پیپلز پارٹی + ایم کیو ایم دور) اس کی بدترین مثال پیش کرتے ہیں۔ جب سے آپریشن 'ضربِ عضب' کا دائرہ وسیع ہوا ہے اور کراچی کے حالات کو قابو میں لانے کے لیے رینجرز کے ہاتھوں حالات کچھ بہتر ہوئے ہیں، لیکن بنیادی مسائل اور حالات جوں کے توں اور شدید تشویش کا باعث ہیں۔ صوبائی حکومت کی بُری حکمرانی، نااہلی اور کرپشن اور بدعنوانی کی بدترین مثال ہے۔ مرکزی حکومت ظاہری فوں فاں کے باوجود ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ رینجرز اور سندھ کی صوبائی حکومت کے درمیان در پردہ ہی نہیں، کھلی کھلی کش مکش روز افزوں ہے اور غیر ریاستی عناصر کا تباہ کن کھیل جاری ہے۔

اس پس منظر میں تبدیلی کی جو لہریں اُبھر رہی ہیں اور جس طرح اُبھر رہی ہیں، وہ نئے نئے سوالات کو جنم دے رہی ہیں اور لوگوں کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ رہے ہیں ؎

یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین　　　پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

ہم سمجھتے ہیں کہ اس موقعے پر ٹھنڈے دل سے صورتِ حال کا جائزہ لینا ضروری ہوگیا ہے، تاکہ حقیقت پسندی سے ایک بُرائی کے بعد دوسری بُرائی، اور ایک تباہی سے دوسری تباہی کے جال میں پھنسنے کے کرب ناک اور خوف ناک چکّر سے نکلنے اور حالات کے حقیقی سدھار کے راستوں کو تلاش کرنے اور ان پر عمل کی راہیں استوار کرنے کی فکر اور کوشش کی جاسکے۔

سیاسی اختلاف اور جبر و تشدد

ایم کیو ایم نے گذشتہ ۴۰ برس میں کراچی اور سندھ کے دوسرے شہری علاقوں میں، سیاسی اور تنظیمی سطح پر ایک مقام بنا کر ملک کی سیاست میں ایک خاص کردار ادا کیا ہے۔ اس وقت ایم کیو ایم کے اس کردار پر ملک میں پہلی بار کھل کر بات ہورہی ہے۔ چند ماہ پہلے تک پورے ملک کی سیاسی فضا اور خصوصیت سے میڈیا پر جبر اور خوف کا وہ عالم طاری تھا کہ 'متحدہ' کے کردار کے بارے میں کسی کے لیے بھی تنقید، اختلاف اور احتساب کی بات کہنا تو دُور کا معاملہ ہے، اشارہ تک کرنا ممکن نہ تھا۔

بلاشبہہ جماعت اسلامی، تحریکِ انصاف اور چند سیاست دانوں، دانش وروں اور صحافیوں نے جان پر کھیل کر اس عفریتی صورتِ حال پر گرفت کی اور اس کی بڑی قیمت ادا کی۔ ان کے علاوہ بھی کچھ نے دبے الفاظ میں اشارے کیے، مگر کراچی کی مجموعی سیاست میں ایم کیو ایم کی حیثیت ایک 'مقدس گائے' ہی کی رہی۔ سیاسی میدان اور میڈیا میں اختلاف رائے اور ان کے بارے میں حقیقت کے برملا اظہار کا کوئی امکان نہ تھا۔ جس نے زبان کھولی، اس کی زبان کاٹ دی گئی۔ جس نے اختلاف کیا، اس کا مقدر بندوق کی گولی بنی۔ ۲۰ ہزار سے زیادہ افراد نے جان کی بازی ہاری اور ہزاروں نے نقل مکانی کی۔ اس گروہ کی منہ زوری یہاں تک پہنچی کہ جن ۲۰۰ سے زیادہ پولیس افسروں اور اہل کاروں بہ شمول چند فوجی افسروں کے، جو ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء کے دوران کراچی آپریشن سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ تھے، ایک ایک کر کے قتل کردیا گیا۔ اسی طرح سچائی بیان کرنے والے ایک درجن صحافیوں کو خون میں نہلا دیا گیا اور ان کے قتل کے گواہوں تک کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

خصوصیت سے 'آپریشن ضربِ عضب' کے آغاز اور اس کے نتیجے میں دوسری دہشت گرد قوتوں کے ساتھ 'متحدہ' کے کچھ عناصر کو قانون کی گرفت میں لانے سے، میڈیا پر 'متحدہ' کی حکمرانی کا

بت اب ٹوٹ رہا ہے۔ متحدہ کی سیاہ کاریوں کا جبری پردہ آہستہ آہستہ سرک رہا ہے اور اصل حقائق قوم کے سامنے نسبتاً زیادہ آزادی سے آنا شروع ہوئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں تصویر کا وہ رُخ اب نمایاں ہو رہا ہے، جسے عوام کی نگاہوں سے اوجھل رکھا گیا تھا۔ قانون، حکومت، عدالت اور ملک کے مقتدر طبقات سبھی اپنے اپنے مفادات کے چکّر میں یا کچھ دوسری مجبوریوں کے باعث اس جبری خاموشی، یا اس مجرمانہ پردہ پوشی کے نتیجے میں مجرموں کے طرف دار، سہولت کار اور پناہ دہندگان کا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی بے گناہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس پس منظر میں 'متحدہ' سے وابستہ افراد کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد نے پہلی بار کھلی تنقید کی راہ اختیار کی ہے۔ وہ باتیں جو ماضی میں صرف جماعت اسلامی اور چند اہلِ علم، دانش ور اور صحافی کہنے کی جرأت کر رہے تھے، یہ سب کھل کر بیان کرنے کے لیے خود 'متحدہ' ہی کے افراد کی ایک قابلِ ذکر تعداد سامنے آئی ہے اور گھر کے بھیدی کی حیثیت سے حقائق بیان کر رہے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ضمیر کی بیداری کے نام پر یہ حضرات اب گویا تو ہوئے ہیں اور کچھ اس اعتراف کے ساتھ بیان کر رہے ہیں کہ: ''ہم لوگ ان کارناموں کو جانتے تو تھے، مگر کہنے کی جرأت نہ رکھتے تھے''۔

یہی وہ مقام ہے جہاں گروہ بندی اور مفاد پرستی کے بجاے اصل حقائق کو جاننے اور صحیح راہِ عمل اختیار کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ جہاں تک ہمارا تعلّق ہے، ہم تو 'متحدہ' کے بارے میں کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ تھے اور ہر میدان میں اس کا مقدور بھر مقابلہ کر رہے تھے اور اپنی جانوں کے ساتھ اس کی بھاری قیمت ادا کرتے آرہے ہیں۔ البتہ تبدیل ہوتے ہوئے اس منظرنامے میں، اس امر کی ضرورت بڑھ گئی ہے کہ محض 'مٹی پاؤ' کی سیاست کو کھل کھیلنے کا موقع نہ دیا جائے، اور اصل حقائق کی روشنی میں بگاڑ کے اسباب کو سمجھا اور حقیقی اصلاح کا راستہ اختیار کیا جائے۔

'متحدہ' کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل سے سخت اختلاف اور ان کے غیض و غضب کا اوّلیں اور مسلسل نشانہ ہونے کے باوجود، ہم نے کل بھی یہ بات کہی تھی اور آج بھی کہتے ہیں کہ: سیاسی اختلاف ـــــ اور سیاست میں تشدد، جبر اور فساد کے ہتھیاروں کا استعمال دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ریاست اور حکومت جب بھی قدم اُٹھائیں، اور جو بھی قدم اُٹھائیں، اسے قانون کی حکمرانی اور انصاف کے تقاضوں کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔ اوچھے ہتھکنڈوں اور انتقام سے اپنا دامن بچانا چاہیے۔

۱۹۹۰ء کے عشرے میں جب پہلے مسلم لیگ (ن) اور پھر پیپلز پارٹی کے اَدوار میں، کراچی میں فوج اور رینجرز کے ذریعے ایم کیو ایم کی فسطائیت کے خلاف آپریشن ہوا، تو ہم نے اس وقت بھی اپنی اصولی اور حقیقی پوزیشن واضح کی تھی اور آج پھر ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری نگاہ میں 'متحدہ' کا ایک تو سیاسی چہرہ اور اس کے کچھ سیاسی کام ہیں۔ ان کی دوسری شناخت ایک فاشسٹ گروہ کی بھی ہے، اور یہ گروہ تشدد، ظلم، جبر اور قوت کے مبنی بر فساد استعمال کی خونیں روایت کا علَم بردار ہے۔ جس کو مفادات کی سیاست کرنے والوں نے: خواہ ان کا تعلق جمہوری قوتوں سے ہو یا عسکری عناصر سے، نہ صرف نظرانداز کیا بلکہ اس میں شریک ہوئے اور ان کے سرپرست اور پشتی بان بنے۔ ہم دستور اور قانون کے مطابق ان کی سیاسی سرگرمیوں کا حق اسی طرح تسلیم کرتے ہیں، جس طرح اپنے اور دوسرے سیاسی عناصر کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، مگر ان کے دوسرے رُخ کو ہم ہر اعتبار سے مذموم، ملک کے لیے تباہ کن اور جمہوریت کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھتے ہیں۔ بگاڑ اور فساد کے جس عذاب سے آج سابقہ ہے، اور اس کے رُونما ہونے میں، ان کے اور چند دوسرے عناصر کی اس فسطائی اور تشدد پر مبنی سیاست کا نتیجہ تصور کرتے ہیں۔

۱۹۹۲ء کے آپریشن کے موقعے پر راقم الحروف نے سینیٹ میں اس وقت کے آپریشن پر مفصل تقریر میں جو کچھ کہا تھا، وہ ریکارڈ کا حصہ ہے۔ یہ تقریر اسی زمانے میں روزنامہ جنگ میں بطورِ مضمون بھی شائع ہوئی تھی۔ ریکارڈ کی خاطر اس کا ایک حصہ یہاں دیا جارہا ہے کہ کل بھی ہماری مخالفت اصولوں پر مبنی تھی اور آج بھی مبنی برحق ہے۔

ہم ذاتی مفادات یا گروہی عصبیت کے طرف دار نہیں ہیں۔ ہم نے کل بھی 'متحدہ' کے لیے انصاف اور اصل حقائق کی روشنی میں معاملہ کرنے کی بات کی تھی اور آج بھی اسی موقف کا اعادہ کرتے ہیں، لیکن اس وضاحت کے ساتھ کہ جن حقیقی جرائم کے وہ مرتکب ہوئے ہیں، ان پر پردہ ڈالنا اور ان کو نظرانداز کرنا نہ کل صحیح تھا اور نہ آج درست ہے۔ ان پر قانون کے مطابق گرفت ہونی چاہیے تھی اور اگر ماضی میں نہیں ہوئی تو آج ہونی چاہیے۔ لیکن جس جرم کے وہ مرتکب نہیں ہوئے ہیں، تو محض اس لیے کہ آج مقتدر عناصر ان سے ناراض ہیں، ان کو ماورائے حق وصداقت سزا دینا، بہرحال حق اور انصاف کا خون کرنا ہوگا۔ ہم اس سے بڑھ کر یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ اس پورے

عرصے میں جن جرائم کے بھی وہ مرتکب ہوئے ہیں، ان کی سزا جس طرح ان کو ملنی چاہیے، بالکل اسی طرح ان تمام عناصر کا بھی احتساب اور قانون کے مطابق گرفت اور حق و انصاف کی روشنی میں انھیں بھی سزا ملنی چاہیے، جو جرم میں شریک یا اس پر پردہ ڈالنے اور ظالم کو پناہ دینے کے مرتکب ہوتے چلے آرہے ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں۔ فرد ہو یا ادارہ، سیاسی ہو یا غیر سیاسی، جمہوری ہو یا عسکری، یا کوئی اور: انھیں بھی انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائے۔ یہاں ملاحظہ فرمائیں کہ ۱۹۹۲ء میں ہم نے کیا کہا تھا:

> تشویش کا تیسرا پہلو وہ چند ابتدائی کارروائیاں ہیں، جن میں بحریہ کی مڈبھیڑ، پنڈ بہاول کا واقعہ اور دورانِ تفتیش لوگوں کی اموات شامل ہیں۔ ان چیزوں نے لوگوں کو تشویش میں مبتلا کردیا۔ یہ بڑی قابلِ اطمینان بات ہے کہ پنڈ بہاول کے واقعے کے بعد فوج نے ایک صحیح، واضح اقدام اور درست موقف اختیار کیا اور اس طرح اپنی آبرو کو بحال کیا۔
>
> چوتھا تشویش کا پہلو ایم کیو ایم اور حکومت کے تعلقات ہیں۔ ایک طرف یہ بات ثابت ہے کہ ایم کیو ایم ایک پُرتشدد جماعت تھی۔ اس کے اذیت خانے برابر کام کررہے تھے اور یہ کوئی خفیہ راز نہیں تھا۔ حکومت کے علم میں ان تمام باتوں کو وقتاً فوقتاً لایا گیا اور کراچی کے بے شمار شہری ان عقوبت خانوں کا شکار ہوئے۔ بہت سے بچ جانے والوں کی آہوں اور کراہوں کو کسی نے سنا تک نہیں۔ لیکن آج بھی مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت، دونوں سطحوں پر ایم کیو ایم برابر کی شریک ہے۔ اس پس منظر میں یہ ایک تشویش ناک پہلو ہے، جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔
>
> اس وقت درپیش مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ بلاشبہہ امن و امان کا ہے۔ اس مسئلے کو اگر حل نہ کیا گیا تو ملکی سالمیت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ بات یقیناً عاقبت نااندیشی ہوگی، اگر ہم یہ خیال کریں کہ یہ صرف امن و امان ہی کا مسئلہ ہے۔ درحقیقت یہاں اقتصادی اُمور میں خصوصیت سے زمینوں اور صنعت کا مسئلہ، انفراسٹرکچر کی تعمیر، بالخصوص نوجوانوں کی بے روزگاری کے مسائل ہیں کہ جن کی بنا پر یہ نوجوان تخریب کاری کی طرف گئے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کا زمین داری اور وڈیرہ شاہی کا نظام اس شکل میں

مسلط ہے کہ جس کے باعث عوام وہاں ابھی تک احساسِ شرکت سے محروم ہیں۔ اگر عوام کسی پارٹی کو مینڈیٹ دیتے ہیں تو پھر ان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی حکومت بنائیں۔ چنانچہ امن وامان کے ساتھ ساتھ مسئلے کا سیاسی صرف دیانت دارانہ عمل سے نکل سکتا ہے۔ اس کے لیے سیاسی پارٹیوں کو آگے بڑھنا چاہیے۔ مسلم لیگ، پیپلزپارٹی، جماعت اسلامی، خود ایم کیو ایم کو ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے۔

جہاں ایم کیو ایم کا امن وامان کے مسئلے کو پیدا کرنے میں مرکزی کردار ہے، وہیں ایم کیو ایم کا ہر ممبر اس کا مجرم نہیں۔ کراچی میں امن وامان کی بحالی کے لیے ہمیں مجرم اور بے گناہ میں فرق کرنا ہوگا۔ جو لوگ تشدد کے ذمہ دار ہیں، ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتنی چاہیے۔ انصاف ہر ایک کے ساتھ کیا جانا چاہیے، خواہ اس کا تعلّق ایم کیو ایم کے ساتھ ہو، پیپلزپارٹی، مسلم لیگ، جماعت اسلامی یا کسی اور پارٹی سے۔ مراد یہ ہے کہ تشدد کی سیاست، لسانی سیاست اور پھر جائز اور صحیح سیاست کے درمیان فرق ضروری ہے۔ اگر ہم نے مجرم اور بے گناہ کے درمیان فرق نہ کیا اور فوج نے مکمل غیر جانب داری کا مظاہرہ نہ کیا تو یہ بہت بڑا سانحہ ہوگا۔ چنانچہ انصاف، سیاسی سرپرستی اور جانب داری سے ماوراہو کر کیا جائے۔ تشدد کی سیاست سے جس کسی کا بھی تعلّق ہے اور جس نے بھی کسی ڈاکو کو پناہ دی ہے اور جو بھی ان کے سرپرست اور ذمہ دار ہیں، ان تمام عناصر کا محاسبہ کیا جائے، چاہے ان کا تعلّق ایم کیو ایم حقیقی سے ہو یا غیر حقیقی سے، یا کسی بھی طبقے سے۔ اگر حکومت نے اس معاملے میں کسی ایک گروہ کو دوسرے کے خلاف استعمال کیا، تو یہ انصاف نہیں ہوگا اور اس کے نتیجے میں یہ آپریشن ناکام ہوگا۔

ایم کیو ایم سے اصولی اختلاف

متحدہ قومی موومنٹ سے ہمارا اصولی اختلاف ان کے بنیادی فلسفۂ سیاست، یعنی مہاجریت اور اُردو زبان کی بنیاد پر قومیت کے سوال سے ہے۔ مہاجر ایک واقعاتی تصور بھی ہوسکتا ہے اور ایک نظریاتی اور اختلافی تصور بھی۔ جہاں تک واقعاتی پہلو کا تعلّق ہے، ہر وہ شخص جو کسی بھی وجہ سے ایک ملک سے نقلِ مکانی کر کے کسی دوسرے ملک میں جا کر آباد ہو جائے، وہ مہاجر ہے۔ لیکن محض

یہ نقلِ مکانی اور اپنے اصل وطن سے نسبت کسی شخص یا گروہ کو ایک قوم نہیں بناتی۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد ایک نظریاتی اور اخلاقی جدوجہد تھی۔ اس جدوجہد میں برعظیم کے مسلمانوں کی اکثریت شریک تھی۔ وہ بھی جن کا تعلّق اُن علاقوں سے تھا جو پاکستان کا حصّہ بنے، اور وہ بھی جن کا تعلّق اُن علاقوں سے تھا جنھیں ہندستان کا حصّہ بننا تھا۔ پھر نقلِ آبادی تقسیمِ ہند کے منصوبے کا ایک حصّہ نہیں تھی۔ وہ ان حالات کا نتیجہ ضرور تھی جن میں ملک تقسیم ہوا اور فسادات کی آگ نے ایک بڑے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر مجموعی طور پر نقل مکانی کرنے والوں کی کوئی ایک زبان نہیں تھی۔ اس میں اُردو بولنے والے بھی تھے، پنجابی، پشتو، بلوچی، پوربی، تامل، بہاری، گجراتی، میمن، کچھی، سرائیکی، دری اور دسیوں زبانیں بولنے والے ہم وطن شامل تھے۔

مغربی پاکستان میں ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی روشنی میں آبادی ۳ کروڑ ۳۷ لاکھ تھی، جس میں سے مہاجرین کی تعداد ۶۴ لاکھ تھی، گویا آبادی کا تقریباً ۲۰ فی صد۔ اس میں اُردو بولنے والوں کی آبادی ایک چوتھائی سے بھی کم تھی۔ تین چوتھائی مہاجر تھے، مگر وہ سب اُردو بولنے والے نہیں تھے اور یہ ایک چوتھائی اُردو بولنے والے بھی سبھی کراچی یا صوبہ سندھ کے مختلف شہروں میں آباد نہیں ہوئے۔ ہرچند کہ ان کی ایک بڑی تعداد یہاں ضرور آباد ہوئی، اور ان کے ساتھ دوسری زبانیں بولنے والے بھی ہجرت کر کے اپنے اپنے حالات اور امکانات کے مطابق آباد ہوئے۔ یہ ہیں اصل زمینی حقائق! اس پس منظر میں کسی ایک گروہ کا لسانی بنیادوں پر اپنا استحقاق دوسروں پر مسلط کرنا تصادم ہی کا باعث ہوسکتا ہے۔ انصاف سب کے ساتھ ہونا چاہیے، لیکن کسی کے لیے بھی ترجیحی مقام (priviliged position) فساد ہی کا ذریعہ بن سکتی ہے، اور بن کر رہی ہے۔

اسی طرح مشرقی پاکستان میں ۷ لاکھ کے قریب مہاجر آئے تھے، جن کی بڑی تعداد اُردو، بنگلہ اور آسامی بولنے والوں کی تھی۔ پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں کی تعداد درجنوں میں ہے۔ ہرزبان کا اپنا قابلِ احترام مقام ہے اور انسانوں کی پہچان میں زبان کا بھی ایک اہم حصّہ ہے۔ لیکن ایک فرد کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت محض زبان کے استعمال و اختیار سے متعین نہیں ہوتی۔ اس لیے قرآن نے زندگی کا جو تصور دیا ہے وہ بڑا واضح ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات ۴۹:۱۳) لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کو عقیدہ اور دین کی بنیاد پر ایک قوم بنایا اور اللہ کی اطاعت کو ان کا نصب العین اور اجتماعی زندگی کی بنیاد قرار دیا:

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ (انبیاء ۲۱:۹۲) یہ تمھاری اُمت حقیقت میں ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ (المومنون ۲۳:۵۲) اور یہ تمھاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمھارا رب ہوں، پس مجھی سے تم ڈرو۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی بنیاد اور اللہ کو رب تسلیم کرکے عقیدے اور الہامی ہدایت کے مطابق زندگی کی تشکیل دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ رب کی عبادت اور اس کے تقویٰ کو اللہ سے تعلّق اور بندوں کے درمیان نظامِ کار کی اصل قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے باب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوٹوک الفاظ میں واضح فرمادیا کہ: اگر تم اپنا وطن اس لیے چھوڑ رہے ہو کہ وہاں دین کی پیروی اور اللہ کی اطاعت اور اس کا تقویٰ اختیار کرنا ممکن نہیں، اور ہجرت اس جگہ کے لیے کر رہے ہو، جہاں اللہ کی عبادت اور بندگی ممکن ہو اور اسلامی زندگی قائم کرسکو، تو یہ ہجرت اللہ کے لیے ہے۔ اور اگر نقل مکانی کسی دنیوی مقصد کے لیے ہے، خواہ اس کا تعلّق معاش سے ہو یا معاشرت (نکاح کی خواہش) سے، تو یہ ہجرت ان مقاصد کے لیے ہے، نہ کہ اللہ کی رضا کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ حبشہ اور مدینہ کی ہجرت نظریاتی اور اخلاقی ہجرت تھی اور اس کے نتیجے میں مہاجروں اور انصار میں ایک نیا رشتۂ مواخات قائم ہوا، اور دونوں مدینہ کی اسلامی ریاست کے شہری اور اسلام اور دولتِ اسلامیہ کے دفاع اور حکومت کے لیے کمربستہ ہوگئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد جو بھی پاکستان کا شہری ہے، وہ پاکستان اور ملت اسلامیہ پاکستان کا

حصّہ ہے۔ ہر وہ زبان جس کے بولنے والے اس اُمت کا حصہ ہیں، ان کی ہر زبان معتبر ہے، لیکن ان کی قومیت، شہریت اور اجتماعیت کی بنیاد زبان نہیں۔ سیاسی جماعتوں کے لیے بھی ان کا نظریہ، پروگرام اور طریق کاران کی شناخت کے صورت گر ہیں اور اسی بنیاد پر اجتماعیت کی تشکیل و تعمیر میں سب اپنا اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ہم بڑے دُکھ سے یہ بات کہتے ہیں کہ اُردو کا جھنڈا اُٹھانے والی 'متحدہ' نے اُردو زبان کی کوئی خدمت نہیں کی۔ وہ اُردو جو پاکستان کے ۸۰ فی صد سے زیادہ افراد کے درمیان رابطے کی زبان ہے اور پاکستانی قوم کی وحدت و یگانگت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اسے آبادی کے صرف ۸ فی صد سے منسوب زبان بنا کر قومی دھارے میں اس کے مقام کو عملاً بُری طرح سے مجروح کر دیا گیا ہے۔

'متحدہ' ایک طرف ہجرت کے اسلامی تصور کا سہارا لیتی ہے اور دوسری طرف اپنے کو ایک سیکولر اور لامذہبی تحریک قرار دیتی ہے۔ اب کچھ عرصے سے اس کے کچھ ترجمان اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے کے بعد اپنے سیکولر ہونے کا دعویٰ کر کے اس اقرار کہ ''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں'' کی نفی کر دیتے ہیں اور اس تضاد کو محسوس بھی نہیں کرتے!

تنظیمی ڈھانچا اور شخصیت پرستی

'متحدہ' سے ہمارا دوسرا بنیادی اختلاف اس شخصی پرستش گیری (personal cult) کے باب میں ہے، جس پر اس کا پورا سیاسی فلسفہ اور تنظیمی نظام قائم ہے۔ درحقیقت 'متحدہ' میں اس کے 'قائد' کی مرکزیت ہی تحریک کا سیاسی فلسفہ ہے۔ اس کا 'قائد' ہی حتمی سچائی اور ہر معاملے میں حرفِ آخر ہے۔ 'قائد' سے وفاداری 'متحدہ' کی اساس ہے۔ 'متحدہ' کا لٹریچر اور عملی ڈھانچا، تربیتی نظام اور نعرے ــــ ان سبھی کا ایک ہی محور ہے، یعنی ''ہمیں منزل نہیں رہنما چاہیے''۔ قائد پر اندھا ایمان (blind faith in the leader) ہی ہمارا اصل الاصول ہے۔ جس کا اظہار اس نعرے کی صورت میں ہر محفل اور در و دیوار پر کیا جا رہا ہے کہ: 'جو قائد کا غدار ہے، وہ موت کا حق دار ہے'۔

'قائدِ تحریک' ہی ہر معاملے میں سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ فکری اور پالیسی اُمور سے لے کر معمولی معاملات تک، ہر مسئلے میں صرف وہی حرفِ آخر ہے۔ صدر یا امیر کے بجائے اسے 'قائد' اور 'پیر' کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے اور وہ جسے چاہے کان پکڑ کر نکال دے اور جسے چاہے پارٹی عہدہ یا

اسمبلی کی رکنیت دے ڈالے۔ حال ہی میں 'متحدہ' کو چھوڑنے والوں نے اپنی اس کیفیت کو یہ کہہ کر بیان کیا ہے کہ الطاف صاحب کو تحریک میں نعوذ باللہ 'خدا' کا سا درجہ دیا ہوا ہے۔ ایک محقق نے 'متحدہ' کے فکر اور مزاج کا خلاصہ یوں پیش کیا:

> پارٹی ['متحدہ'] عجیب و غریب طرزِ فکر و عمل کا ایسا ملغوبہ پیش کرتی ہے، جس میں قومیت پرستی، زبان پرستی، عصبیت زدگی اور سوشلسٹ رجحانات باہم مربوط ہیں۔ اس پارٹی کو ایک غیر منتخب لیڈر 'روحانی' اصطلاحوں میں اپنی سربراہی میں چلاتا ہے، جس کے لیے صدر سے زیادہ 'پیر' کا لفظ برتا جاتا ہے، اور جس کی زبردست گرفت میں پارٹی کام کرتی ہے۔ (The MQM and Identity Politics in Pakistan، *Criterion Qurterly*، نومبر ۲۰۱۲ء)

شخصیت پرستی اور 'قائد' کے انا و لاغیری مقام کا واضح اعلان اس 'حلف نامے' میں ہوتا ہے، جو متحدہ کے ارکان روزنامہ ڈان کراچی کے مطابق ان الفاظ میں اُٹھاتے ہیں:

> مَیں ایم کیو ایم اور الطاف حسین کے لیے زندگی بھر وفادار رہوں گا۔ میں اپنی ماں کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ایم کیو ایم اور الطاف حسین کے خلاف کوئی بھی سازش ہوئی، یا میرے علم میں ایسا کوئی بھی اقدام آیا کہ جس سے ان دونوں کو کوئی نقصان پہنچنے کا امکان ہوا، تو مَیں فی الفور الطاف حسین کو اس کی اطلاع دوں گا۔ حتیٰ کہ ان سازشیوں میں اگر میرا بھائی، بہن، ماں، باپ، کوئی رشتے دار یا دوست تک بھی ہوا، [تو اسے نظر انداز نہیں کروں گا]۔ مَیں قسم کھاتا ہوں کہ میں الطاف حسین کے فیصلوں کو ہرصورت میں حتمی حقیقت کے طور پر تسلیم کروں گا۔ اگر مَیں اس [الطاف حسین] کے کسی فیصلے سے سرتابی کروں تو مجھے غدار تصور کیا جائے۔ (*Herald Exclusive*، Big brother is watching، عابد حسین، ڈان، ۳ ستمبر ۲۰۱۴ء)

'متحدہ' معروف معنی میں کوئی سیاسی جماعت نہیں بلکہ ایک فرد کے گرد اور اس کے اشارۂ چشم و ابرو پر ناچنے والے 'مرکزِ پرستش' گروہ (cult) کی حیثیت رکھتی ہے، جسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے اور کامیابی سے یہ کھیل ۴۰ برس سے کھیلا جارہا ہے۔

سیاست میں تشدد

’متحدہ‘ سے ہمارا تیسرا بنیادی اختلاف سیاست میں تشدد کے بے مہابا استعمال پر ہے۔ یہ پارٹی کے اندر بھی ہے اور ملک کی سطح پر سیاسی مخالفین، معاشرے، میڈیا اور اجتماعی زندگی کے تمام ہی میدانوں میں روا رکھا گیا ہے۔ تنظیم ہر مقام پر دو سطحوں پر متحرک ہے: ایک باہر کی سطح کہ جس پر جمہوری لبادہ ہے اور دوسری اصلی تنظیم جو خالص فاشسٹ اصولوں پر ہے۔ ’قائدِتحریک‘ کی آہنی گرفت پورے نظام پر ہے اور اس کے نتیجے میں اس کی جو بھی تنظیمیں ہیں، خصوصیت سے تنظیمی کمیٹی، سیکٹر کی تنظیم اور مختلف سطح پر اس کے انچارج اور پھر انفرادی سطح پر عامل کارندے (operatives)، یہ سبھی مسلح ہیں۔ قوت کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ الطاف صاحب یا ان کے خاص نمایندوں کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ان کی تربیت ہر سطح پر اور ہر قسم کی تخریبی کارروائیوں کے لیے ہوتی ہے۔ انھیں اپنی مرضی دوسروں پر مسلط کرنے، ان کو بلیک میل کرنے، ان سے بھتا وصول کرنے، ان کی زبان بندی کرنے، اور ہر اس کام کے لیے جو الطاف صاحب یا ان کے مامور کرانا چاہیں، ان کے لیے روا ہے۔ قوت کا استعمال، اس کے لیے عسکری تربیت، جماعتی ڈسپلن، مکمل رازداری، ذاتی وفاداری، ہر قسم کی قتل و غارت گری اور تخریب کاری کی تربیت اور یہ کام کرنے والوں کو حفاظت۔

ہزاروں افراد پر مشتمل یہ فورس ’متحدہ‘ نے ان ۴۰ برسوں میں تیار کی ہے اور یہ اس کے ہمہ وقتی کارکنوں کی حیثیت سے ہر وقت سرگرمِ عمل ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد سرکاری اداروں میں گھوسٹ ملازم کے طور پر تنخواہیں وصول کرتی ہے، لیکن کارکن وہ صرف ’متحدہ‘ کے ہیں اور سیکٹر انچارجوں کے ذریعے خدمات انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ پکڑے جاتے ہیں تو ان کو تحفظ دلانے اور رہا کرانے کا کام ’متحدہ‘ کی قیادت کرتی ہے۔ جیلوں میں ان کو وی آئی پی سہولتیں دی جاتی ہیں۔ جیل کے اندر ہی ان کے لیے پارٹیاں ہوتی ہیں، حتیٰ کہ متحدہ کے اسمبلیوں کے ارکان اور سندھ کے گورنر تک ایسی محفلوں میں شریک ہوتے رہے ہیں جن کی تصاویر اور وڈیوز موجود ہیں، جن میں کچھ صولت مرزا کے مقدمے، مشترکہ تفتیشی ٹیم (جے آئی ٹی) کی صورت میں قوم کے سامنے آچکی ہیں اور جن کی ’متحدہ‘ کے ترجمانوں نے نہایت بھونڈے انداز میں توجیہات پیش کی تھیں، وہ آج ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ گویا ایک ’برابر کی‘ (parallel) حکومت ہے، ’ریاست در ریاست‘ ہے

(state within state)۔ جس کے ذریعے 'متحدہ' اور اس کی قیادت بندوق کی نالی کی قوت سے اپنا پورا نظام چلا رہی ہے اور کوئی انھیں روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔

اس سے بھی زیادہ افسوس ناک اور تشویش انگیز امر یہ ہے کہ اس گروہ کو قائم کرنے اور لسانی بنیاد پر کراچی میں تقسیم اور تصادم کے ذریعے اپنا اقتدار مستحکم کرنے کا آغاز خود صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کے قابلِ اعتماد افسروں کے ہاتھوں ہوا۔ پاکستان سینیٹ کی سندھ کے حالات پر ایک کمیٹی، جس نے سینیٹر احمد میاں سومرو مرحوم کی صدارت میں کام کیا تھا، اور جس کا مَیں خود ممبر تھا۔ کمیٹی کے سامنے پولیس کے دو اعلیٰ افسروں نے اپنے بیان میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور پھر ان کے بعد فوجی قیادت کے دور کے اس کردار کا اعتراف کیا تھا، لیکن رپورٹ میں ان کے ناموں کی صراحت سے اس بیان کو ریکارڈ پر لانے سے منع کر دیا گیا تھا۔ جس کا مطلب اپنے اور اپنی اولاد کے تحفظ کو قرار دینا تھا۔ لیکن ۲۰۱۱ء کے سپریم کورٹ آف پاکستان کے سوموٹو، کیس نمبر۱۶، اور ۲۰۱۱ء ہی کے دستوری پٹیشن نمبر۶۱، جس کے تحریری فیصلے میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں کی، اس پس منظر کو ان الفاظ کے ساتھ پیراگراف ۶۵ میں درج کیا ہے:

> کراچی کی تاریخ، جو اُوپر بیان کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸۵ء سے لے کر اب تک، وقت گزرنے کے ساتھ جرائم کی سطح بلند اور امن وامان کی صورتِ حال بڑی تیزی کے ساتھ بد سے بدتر ہوئی ہے۔ سیّد اقبال حیدر [سابق وفاقی وزیر قانون، عدل و پارلیمانی اُمور] نے واضح کیا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے دانستہ طور پر یہاں کے لوگوں کو تقسیم کرنے اور غیرسیاسی قوتوں کا تر نوالا بنانے کے لیے ان تشدد پسند گروہوں کی پرورش کی۔ انھی گروہوں کو اسلحے سے لیس کیا کہ جن گروہوں کی بنیاد لسانی منافرت پر استوار تھی۔ ان میں 'مہاجر قومی موومنٹ' (اب 'متحدہ قومی موومنٹ)، پنجابی پختون اتحاد(PPI) اور جیے سندھ (JS) شامل ہیں۔ اور پھر اپریل ۱۹۸۵ء میں ایک طالبہ بشریٰ زیدی کی سڑک کے حادثے میں ہلاکت کے بعد بے شمار خونیں فسادات کا لاوا پھوٹ پڑا، جس میں مذکورہ بالا تینوں لسانی گروہوں یا پارٹیوں نے دل کھول کر حصّہ لیا۔ انجامِ کار، کراچی اور حیدرآباد میں لاتعداد بے گناہ شہری موت کے گھاٹ اُتار دیے

گئے۔ سرکاری اور نجی املاک کا بے پناہ نقصان ہوا، ہزاروں شہری بُری طرح زخمی یا معذور بنا دیے گئے۔ کرفیو کا نفاذ اور ہڑتالوں کی لعنت اور روزمرہ زندگی کے کاموں کا تعطل ہی کراچی کی پہچان بن کر رہ گئے۔ مزید یہ کہ ۱۹۸۰ء کے بعد مختلف اوقات میں سندھ ہائی کورٹ کے ججوں پر مشتمل چھے عدالتی کمیشن بنائے گئے۔ مگر حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک بھی عدالتی کمیشن کی رپورٹ عوام کے سامنے پیش نہیں کی گئی، اور نہ ان میں سے کسی کمیشن کی سفارشات پر کوئی عمل ہی کیا گیا ہے۔ جس کا سبب غالباً یہ ہے کہ ان خوں خوار واقعات کے ذمہ دار مجرموں کو تحفظ دیا جائے۔ اس کھیل کے پیش نظر، وزیراعظم محترمہ بےنظیر بھٹو نے ایک آزاد اور اعلیٰ اختیاراتی عدالتی کمیشن، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس محمد افضل ظُلہ کی سربراہی میں تشکیل دیا، جس میں چاروں ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان بطورِ ممبر شامل تھے۔ ان کے ذمے یہ کام تھا کہ ۷مئی ۱۹۹۰ء کو پکا قلعہ حیدرآباد میں وقوع پذیر خوف ناک خونیں واقعے کی تفتیش کریں، مگر افسوس کی بات ہے کہ [اگست ۱۹۹۰ء میں] بےنظیر بھٹو کی مرکزی حکومت کو غیرآئینی طور پر تحلیل کر دیا گیا۔ اور پھر اس دوران میں ایسی عبوری حکومت قائم کی گئی، جس نے مرکزی اور صوبائی وزارتوں میں ایم کیو ایم کو بھاری نمایندگی دے ڈالی اور انھوں نے مذکورہ بالا عدالتی کمیشن کو ہی ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

لندن کے معروف جریدے دی اکانومسٹ (۲۱/اگست ۲۰۱۱ء) نے کراچی کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی تھی، جس کے چند اقتباسات ذیل میں دیے جا رہے ہیں:

> پاکستان کے گنجان ترین شہر کراچی میں لسانی بنیادوں پر جنگ اس عروج کے نکتے کو چھو رہی ہے کہ انسانی جان بچانے کے لیے ایمبولینس سروس تک کے ڈرائیور لسانی پہچان کے ساتھ زخمیوں کو اُٹھانے یا نہ اُٹھانے کی عصبیت کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جو ایمبولینس ڈرائیور زخمیوں کو اُٹھا کر ہسپتالوں کی طرف سائرن بجاتے ہوئے تیزی سے چلتے ہیں، وہ بھی مخالف نسلی گروہ کی فائرنگ کا لقمہ بن رہے ہیں۔
>
> اس خوں ریزی کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی ایک نئی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو محض

گولی نہیں ماری جاتی بلکہ انھیں اغوا کرکے بہیمانہ ٹارچر کیا جاتا ہے، اور پھر ان کی گولیوں سے ہلاک شدہ مسخ لاشوں کو بوریوں میں بند کرکے تنگ گلیوں اور گٹروں میں پھینک دیا جاتا ہے۔عباسی شہید ہسپتال میں، جو کہ ایک سرکاری ہسپتال ہے، ڈاکٹر صرف مہاجروں کا علاج کرتے ہیں، جن کی اس ضلع میں غالب اکثریت ہے اور [مہاجر] کراچی کا سب سے بڑا نسلی گروہ ہے۔

اگر یہ جرائم پیشہ گروہوں کے درمیان صرف ایک جنگ تھی تو اس پر قابو پایا جاسکتا تھا۔ لیکن حیرت اس پر ہے کہ ہر جرائم پیشہ گروہ کو کسی نہ کسی مقبول سیاسی جماعت کی سرپرستی حاصل ہے۔اس لڑائی کا آغاز ۲۰۰۷ء میں ہوا تھا،اور انتخابات کے بعد [جنرل مشرف کی] فوجی حکمرانی کے دور کا اختتام ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو نسلی گروہوں کی سیاسی حمایت سے مربوط ہے،اور جو اس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتی ہیں۔

متحدہ قومی موومنٹ جو ۱۹۸۰ء کے عشرے میں قائم کی گئی تھی،اور جو مہاجروں کی نمایندگی کا دعویٰ کرتی ہے، ایک زمانے میں کراچی پر اس کی آہنی گرفت تھی۔ اِن دنوں صدر آصف زرداری کی پیپلزپارٹی کی اتحادی حکومت میں شامل ہے۔اس اجارہ داری کو عوامی نیشنل پارٹی جو پشتون آبادی کی ترجمان ہے، چیلنج کر رہی ہے۔ان کے جرائم پیشہ گروہ کو ہمسایہ صوبہ بلوچستان کے عصبیت پسند بلوچوں کی حمایت بھی حاصل ہے۔

دوعشروں سے زیادہ ایم کیو ایم شہر بھر سے تاجروں اور گھروں سے جبری وصولی جسے 'بھتا' کے طور پر جانا جاتا ہے، جمع کرتی آئی ہے۔ ۲۰۰۸ء کے انتخابات میں پیپلزپارٹی اور عوامی نیشنل پارٹی کے ڈھیلے ڈھالے اتحاد نے جو سیاسی حمایت حاصل کی ہے، اب اس کو استعمال کرتے ہوئے پیشہ ور گروہ کیش میں اپنا حصّہ بھی چاہتے ہیں۔ عین تنازعے کے بیچ میں تاجروں کو اب تین مخالف گروہوں کو ادایگی کرنا پڑے گی۔

جہاں تک سیاسی جماعتوں کا تعلّق ہے، وہ اس قابل دکھائی نہیں دیتی ہیں کہ تشدد کو ختم کرسکیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض جرائم پیشہ نہیں ہیں کہ جنھوں نے عملاً اپنے آپ کو پارٹی کے جھنڈے میں لپیٹ رکھا ہے بلکہ پارٹیوں کے سیاسی عمل کا جزو لازم

ہے۔ اگر تشدد جاری رہتا ہے تو عام لوگ کسی سیاسی جماعت کا تحفظ حاصل کرنے پر مجبور ہوں گے اور انھیں مزید ادایگی کرنا ہوگی۔ غالباً یہ ہے یہاں سیاست دانوں کا ہدف۔ آپ اسے جرم کو سیاسی رنگ دینا یا سیاست کو جرم کا رنگ دینا کہہ سکتے ہیں۔

یہ ایسی دل خراش داستان ہے کہ جس کا ذکر کرتے ہوئے آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں، مگر حیف ہے ان سیاسی جماعتوں، ریاستی اداروں اور بااثر اور حُبِ وطن کے دعوے دار حکمرانوں پر، کہ یہ سب کچھ ان کے سامنے ہو رہا تھا اور ہو رہا ہے اور ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ آپریشن 'ضربِ عضب' کے بعد جو حقائق کھل کر سامنے آرہے ہیں اور جن جن ناموں اور سیاہ 'کارناموں' کا بھی اعتراف کیا جارہا ہے، وہ ایک چارج شیٹ ہے پورے نظام پر اور اس نظام کے تمام رکھوالوں پر۔ مقتولین کی روحیں اور مظلوموں کی آہیں پکار رہی ہیں کہ انصاف کب ہوگا اور ظالموں کو کون اور کب کیفرکردار تک پہنچائے گا؟

'متحدہ' کی مرکزی قیادت کے جو لوگ اب رو رو کر اپنے ہی اقتدار کے دور کے واقعات بیان کر رہے ہیں اور سارا الزام الطاف حسین صاحب پر ڈال کر اپنی پاک دامنی کا واسطہ یا مغالطہ دے رہے ہیں، احتساب ان کا بھی ہونا چاہیے، لیکن ان کی گواہی گھر کے بھیدی اور شاھدٌ من اھلہ کی ہے، جو بڑی اہمیّت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں کراچی کے سابق میئر مصطفیٰ کمال اور ان کے چھے ساتھیوں، جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، سے بھی تفصیلی معلومات حاصل کرنے اور اس کی روشنی میں مزید حقائق کو معلوم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ اسے محض سیاسی واہمہ یا وقتی اُبال بنا کر ہوا میں تحلیل نہیں ہونا چاہیے۔

اس سلسلے میں مشترکہ تفتیشی ٹیم (JIT) کی رپورٹوں کے بھی جائزے کی ضرورت ہے۔ بلدیہ ٹاؤن کے بارے میں اب کوئی شبہہ نہیں رہا کہ اس فیکٹری کو آگ 'متحدہ' کی قیادت کے حکم پر، اس کے کارکنوں نے لگائی اور مسئلے کی جڑ میں بھتا اینٹھنے کا مطالبہ تھا۔ غضب خدا کا کہ ۲۵۸ سے زیادہ افراد کو زندہ جلا دیا گیا اور قاتل اور ان کے سرپرست نہ صرف دندناتے پھرتے رہے بلکہ آج بھی پھر رہے ہیں۔ ان میں حماد صدیقی کا نام بھی آتا ہے، جو اَب مصطفیٰ کمال صاحب کے سفید پوش بریگیڈ میں شامل ہو رہے ہیں اور اشارے ہیں کہ JIT کے کسی نئے بیانیے (version)

میں ان کا نام 'پاک صاف' کرنے کا امکان ہے۔ دیدہ دلیری کا عالم یہ رہا ہے کہ اس سب کے بعد بھی فیکٹری کے مالکان سے متاثرین کی مدد کے نام پر کروڑوں روپے وصول کیے گئے مگر روپے متاثرین کو دینا تو کجا، ان کروڑوں روپوں کا سایہ تک اصل متاثرین پر نہیں پڑا۔

ایک اور ہوش ربا رپورٹ دسمبر ۲۰۰۹ء یومِ عاشور کے موقعے پر شیعہ نوحہ خانوں کے جلوس کو بم دھماکے کا نشانہ بنانے کے بارے میں ہے، جس میں ۴۵ معصوم افراد کا سفاکانہ قتل ہوا۔ اس جلوس پر حملے کا سرا بھی 'متحدہ' کے دامن تک پہنچتا ہے، اور اس سلسلے میں بھی حماد صدیقی کا نام آرہا ہے۔ تخریب کاری کے اس سفاکانہ واقعے میں قرآنِ پاک کے صفحات تک کو استعمال کیا گیا، اور اس حملے کا مقصد شیعہ سُنّی فسادات کی آگ بھڑکانا تھا۔ ایم کیو ایم جسے اپنے سیکولر ہونے پر بڑا ناز ہے اور جو اپنے آپ کو فرقہ واریت سے بالا ظاہر کرتے ہوئے نہیں تھکتی، اس کی قیادت کا اس خونیں ڈرامے میں کردار دل و دماغ کو ماؤف کرنے والا واقعہ ہے۔

'متحدہ' سے منحرف ہونے والوں نے اب تک جو بیانات دیے ہیں، وہ ایک گھناؤنی چارج شیٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جماعت اسلامی، اسلامی جمعیت طلبہ اور چند دوسرے افراد جن حقائق کو جان پر کھیل کر بیان کیا کرتے تھے، ان کی تائید اور توثیق آج یہ حلفیہ بیانات کرتے ہیں، اور متحدہ کا یہی وہ کردار ہے، جو ہمارے اختلاف کا مرکزی نکتہ ہے۔

اس سلسلے میں اب اتنا لوازمہ اور اتنے اعترافی بیانات سامنے آرہے ہیں کہ ان کا احاطہ ایک مضمون تو کجا، پوری کتاب تک میں بھی ممکن نہیں۔ لیکن ڈان (۱۸ مارچ ۲۰۱۶ء) نے اپنے ادارتی کالم Confronting MQM's Past میں مختصراً جو بات کہی ہے، وہ بھی قابلِ توجہ ہے:

> مصطفیٰ کمال کے مسئلے میں، بہت سے افراد، جن کا اس کی بے نام پارٹی سے تعلق ہے، ماضی بھی بے داغ نہیں ہے۔ وہ کراچی تنظیمی کمیٹی سے وابستہ تھے جو کہ متحدہ کے فیصلوں پر عمل درآمد کا بازو تھا۔ یہ ہمیں بنیادی مسئلے، یعنی متحدہ کی تشدد سے وابستگی اور اس کا اسے تسلیم کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ ایم کیو ایم کی قیادت جس مسئلے پر بات نہیں کررہی، وہ یہ حقیقت ہے کہ جب تک حکومت نے اقدام نہیں کیا، پارٹی نے اپنے غیر واضح عسکری ونگ سے کراچی کو آہنی گرفت سے کنٹرول کیا۔ شہر کے رہایشی ابھی تک

اس بات کو نہیں بھولے ہیں۔ جب ایم کیو ایم کے ایک اشارے پر تقریباً تمام شہر کو کئی کئی دن کے لیے 'سوگ' یا احتجاج کے لیے بند کر دیا جاتا تھا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ['متحدہ'] پارٹی نے سندھ کی شہری سیاست کے ساتھ ساتھ عصبیت کی سیاست میں بندوق کے کلچر کو متعارف کروایا اور پارٹی جبری وصولی پر پھلی پھولی ہے، جیسے الزامات کو مسترد کرنا بہت مشکل ہے، جب کہ ایم کیو ایم اختلاف رائے کو کم ہی برداشت کرتی ہے۔

واضح رہے کہ کینیڈا کی دو عدالتیں متحدہ قومی موومنٹ کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دے چکی ہیں اور اسی بنیاد پر اس سے متعلّق افراد کو پناہ گزیں قرار دینے سے انکار کر چکی ہیں۔ اسی طرح بی بی سی کے نامہ نگار اور دی گارڈین کے کالم نگار اوون بینیٹ جونز کے بقول امریکا میں متحدہ کو TIER-3 کی دہشت گرد تنظیم قرار دیا جاچکا ہے۔

سپریم کورٹ نے بھی اپنے ۲۰۱۱ء کے سوموٹو کیس میں اپنے فیصلے کے پیراگراف ۱۳۱، ص ۱۵۱ پر جہاں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ سیاسی جماعتوں میں دہشت گرد اور مجرم کارفرما نظر آتے ہیں، کسی بھی سیاسی جماعت پر باقاعدہ مقدمہ چلانے اور دستور کے تحت اس پر بندش کی بات کو متحدہ کے بارے میں مطالبے کے باوجود حکومت کی طرف لوٹا دیا تھا کہ وہ اس پر دستور اور قانون کی روشنی میں غور کرے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں اجمل پہاڑی اور اس کے بھارت میں تربیت پانے اور کراچی اور سندھ میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے کا بھرپور انداز میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے: پیراگراف ۱۲۵، ص ۱۴۲-۱۴۳)

سپریم کورٹ کا فیصلہ، اخباری اطلاعات، عالمی میڈیا کی شہادت، متاثرہ افراد اور جماعتوں کا واویلا، ہزاروں افراد کا قتل، ساڑھے تین ہزار مقدمات سے سیاسی این آر او کے ذریعے گلوخلاصیاں، پولیس کی ناقص تفتیش اور مقدمات کی عدم پیروی، مجرموں کی سیاسی پشت پناہی، ان سب کی موجودگی میں مرکزی اور صوبائی حکومتوں، ریاست کے حساس اداروں بشمول انٹیلی جنس فورسز، افواجِ پاکستان اور افواجِ پاکستان کے سپریم کمانڈر اُس وقت کے صدور جنرل پرویز مشرف اور آصف زرداری اور آج کے صدر ممنون حسین اور وزیراعظم نواز شریف کی خاموشی، آنکھ مچولی، غفلت اور بے عملی کو عملاً سرپرستی نہ کہا جائے تو کس نام سے پکارا جائے؟

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

'متحدہ' اور اس کے لیڈر کے بنیادی فلسفے، سیاسی عزائم اور طرزِ سیاست اور ۴۰ برسوں پر پھیلے ہوئے ان کے کردار اور اس کے نتیجے میں رُونما ہونے والی تباہ کاریوں کے بارے میں ہم نے مختصراً اپنی گزارشات پیش کردی ہیں۔ ان کی روشنی میں اس امر سے انکار ناممکن ہے کہ اس تحریک نے گذشتہ ۴۰ برسوں میں ملک کے دستور اور قانون کی دھجیاں بکھیری ہیں اور جو طرزِ سیاست اختیار کیا ہے، اس کے نتیجے میں فساد فی الارض کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اور جو کچھ فساد ہوا ہے، اس کی اوّلیں ذمہ داری اگر ایم کیو ایم، اس کی قیادت اور بندوق بردار کارکنوں پر ہے، تو وہیں اس پورے عرصے میں جو جو بھی اور جس حد تک بھی، ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والا تھا، وہ ان کے حالات کا ذمہ دار تھا، ان جرائم میں شریک اور اس مجرمانہ شراکت کے لیے قوم کے سامنے جواب دہ ہے۔

بھارتی حکومت اور 'را' سے تعلقات

مستقبل کے بارے میں اپنی گزارشات پیش کرنے سے پہلے اس مسئلے کا ایک اور پہلو ایسا ہے، جس کا واضح الفاظ میں ادراک، اور قومی سلامتی کے لیے اس کے خطرات کی نشان دہی ضروری ہے۔ اور یہ پہلو ہے ایم کیو ایم کی قیادت خصوصیّت سے الطاف حسین صاحب اور ان کے معتمد ترین ساتھیوں کا بھارت کے بارے میں رویہ، پاکستان کے نظریے اور قومی مفادات کے بارے میں سردمہری اور اس سے بھی بڑھ کر بھارت کی حکومت اور اس کی خفیہ ایجنسی 'را' سے ان کا تعلّق اور اس سے مالی اعانت کے حصول کا ہولناک اسکینڈل۔

یہ ہے وہ پہلو، جس کے پس منظر میں اگر اس جماعت اور اس کی قیادت کے 'کارناموں' کا جائزہ لیا جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر یہ سب باتیں صحیح ہیں (اور بظاہر وہ صحیح نظر آتی ہیں) تو وہ قومی سلامتی کے لیے بڑا سنگین خطرہ ہے۔ دبے لفظوں میں سپریم کورٹ نے اپنے اس فیصلے کے آپریشنل حصّے میں صاف اشارہ دیا ہے: یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ دستور اور سیاسی جماعتوں کے قانون کی روشنی میں اس باب میں اقدام کا جائزہ لے۔

بھارت نے پاکستان کے قیام کو کھلے دل سے ایک دن کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا اور

قیامِ پاکستان سے آج تک اسے کمزور کرنے، ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور خاکم بدہن صفحۂ ہستی سے مٹانے کی مذموم کوشش میں نہ صرف وقتاً فوقتاً اس کا اعلان کرتا رہا ہے، بلکہ عملاً اس میں مصروف بھی رہا ہے۔ جس کا آغاز کانگریس کے اس باقاعدہ ریزولیوشن میں کیا گیا تھا جس میں ۳جون ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند کے منصوبے کو انڈین نیشنل کانگریس نے اس توقع کے ساتھ قبول کیا تھا کہ: پاکستان ایک دن دوبارہ بھارت کا حصّہ بن جائے گا۔

۱۹۷۱ء میں بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی نے پاکستان کو توڑنے کی پوری جنگ لڑی اور پاکستان کو دولخت کرنے کا مذموم 'کارنامہ' اپنے نام کیا۔ لیکن حال ہی میں موجودہ بھارتی وزیراعظم نریندر مودی نے اپنی ڈھاکہ کی تقریر میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کیا کہ: ہم نے، ہماری فوج نے اور ہماری تربیت کردہ مکتی باہنی نے یہ کام انجام دیا تھا۔ واضح رہے کہ 'را' (RAW) کا قیام ہی ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد، اس جنگ کو دوسرے ذریعے سے جاری رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہی وہ 'را' ہے، جس نے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے اندر مسلح مداخلت کرنے کے ساتھ، پاکستان پر کھلی بھارتی جارحیت مسلط کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ یہی 'را' بلوچستان میں ایک مدت سے سرگرمِ عمل ہے۔ اسی 'را' کے سابق سربراہ نے کھلی وارننگ دی تھی کہ کشمیر کی بات نہ کرو، ورنہ کشمیر کے 'ک' کی طرح ہمارے پاس ایک 'ک' (کراچی) ہے، اور حال ہی میں ایک دوسرے موقعے پر اس نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہا کہ: 'ایک اور ممبئی جیسا واقعہ ہوا تو بلوچستان سے پاکستان کو ہاتھ دھونے پڑیں گے'۔

یہ ہے وہ 'را'، جس کا ایم کیو ایم کی قیادت سے خصوصی ربط و تعلّق ہے۔ جو 'متحدہ' کی مسلسل مالی امداد کرتی رہی ہے، جس نے اس کے عسکری اور دہشت گرد کارندوں کی تربیت کا اہتمام کیا۔ یہ سارے حقائق اب دو اور دو چار کی طرح سامنے آرہے ہیں، بلکہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی فراہم کردہ سرکاری دستاویزات کی روشنی میں اس کا اعتراف الطاف حسین صاحب اور کم از کم 'متحدہ' کے دو چوٹی کے قائدین، (جو الطاف حسین صاحب کے معتمد ساتھی ہیں) نے بھی کیا ہے۔ بی بی سی کی ایک دستاویزی رپورٹ میں دو سال پہلے یہ سب حقائق سامنے آگئے تھے۔ متعدد JIT (مشترکہ تفتیشی رپورٹوں) میں جستہ جستہ ان چیزوں کا ذکر ہے، جن میں سے کچھ تو اجمل پہاڑی کے ریفرنس سے پاکستان سپریم کورٹ کے ۲۰۱۱ء کے فیصلے کا حصّہ بھی ہیں۔ [بقیہ دیکھیے: ص ۹۷]